بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

مسلم معاشرے کا انتشار: منزل ہے کہاں تیری...

خورشید احمد

اسلام محض ایک روایتی مذہب نہیں ـــ وہ ایک مکمل دین اور جامع نظام زندگی ہے جو عقیدے' عبادات' انفرادی اخلاق' اجتماعی نظام' قانون' عدالت' دعوت و تبلیغ اور ان کے زیراثر وجود میں آنے والی عالم گیر اور درخشاں تاریخی روایت سے عبارت ہے۔ اسلام کی یہ جامعیت ایک نظری و عملی حقیقت اور اس کی امتیازی شان ہے۔ جہاں اس امرواقعی کا احساس اور اس پر افتخار بجا' وہاں اس بات کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ آج بڑی حد تک پوری اسلامی دنیا میں اور خصوصیت سے پاکستان میں مسلم معاشرہ اپنی اصل شان کھوتا جا رہا ہے اور بنیادی طور پر ایک "اسلامی معاشرہ" کی بجائے آج ہمارا سابقہ ایک ایسے مخلوط معاشرے سے ہے جس میں اسلام اور جاہلیت گڈمڈ نظر آتے ہیں۔ ایک طرف اسلامی تعلیمات اور ہماری تہذیبی روایات کی روشن جھلکیاں ہیں تو دوسری طرف برصغیر کے جاہلی تاریخی اثرات اور مغربی تہذیب و ثقافت کے بڑھتے ہوئے تاریک سائے ہیں۔ بہت سے خیر اور بظاہر بڑی قیمتی دینی علامات کی موجودگی کے علی الرغم بڑے پیمانے پر معاشرہ غفلت کا شکار ہے اور روح اسلام اور اس جوہر کی کمی نظر آتی ہے جو فکرو نظر اور سماج اور تمدن کو امتیازی اسلامی شان عطا کرتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے!

اس غفلت اور محرومی کا احساس اس وقت اور بھی شدید ہو جاتا ہے جب معاشرے میں کوئی چونکا دینے والا واقعہ رونما ہو جائے اور سارے دل خوش کن دعووں اور احساسات کے باوجود ایک لمحے کے لیے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ کہیں ہمارا حال بھی خوش فہمی میں مبتلا اس خودپسند بادشاہ کا سا تو نہیں جو برہنہ ہونے کے باوجود اس زعم میں مبتلا تھا کہ وہ قیمتی لباس میں ملبوس ہے اور ایک بچے کے معصوم مگر بے باک اظہار خیال نے کہ "بادشاہ تو ننگا ہے" اس کی خودپسندی اور خودستائی کا سارا طلسم کافور کر دیا۔

گزشتہ ایک سال سے ہماری عدالت اور ہماری صحافت ایک ایسے ہی چونکا دینے والے واقعے کے مالہ وما علیہ سے نبرد آزما رہی ہے--- والدین کے خلاف ایک دینی گھرانے کی نوجوان لڑکی کی بغاوت' "پسند کی شادی"' گھر سے فرار' تھانے اور کچہری کے چکر' مقدمہ بازی' قید و رہائی' اپنوں کی گراں باریاں' نام نہاد این جی اوز کی کارفرمائیاں' انسانی حقوق کے نام لیواؤں کی کرم فرمائیاں' میڈیا کی کرشمہ سازیاں' ملکی ہی نہیں بین الاقوامی ایجنسیوں کی دلچسپیاں' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک تکلیف دہ واقعہ کا عدالتی تصفیہ مطلوب نہیں بلکہ اسلام' اس کے عائلی قانون بلکہ پوری تہذیبی روایت پر تحکیم کی کوشش اور وہ بھی میڈیا ٹرائل کی شکل میں اصل ہدف ہے! ایک خاندان ہی نہیں پورا ملک اس کرب ناک عمل سے گزرا ہے اور عدالت کے فیصلے کے بعد بھی یہ ٹرائل جاری ہے۔ گویا دو نظریات اور دو تہذیبی روایات دست و گریبان ہیں! اس طرح یہ واقعہ محض ایک فرد یا ایک خاندان کا مسئلہ نہیں رہا ہے' بلکہ ایک ایسی بحث کا عنوان بن گیا ہے جس کی زد میں ہمارا خاندانی نظام بلکہ پوری اسلامی معاشرت ہے۔ نیز اجتماعی اصلاح اور بگاڑ کے سلسلے میں والدین' عدالت اور صحافت کے رول اور ذمہ داریوں کے بارے میں بھی غور و فکر کے متعدد گوشے ہیں جو اس قضیے میں سامنے آئے ہیں۔ ان تمام پہلوؤں پر تفکر اور عبرت کی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ اصلاح احوال کے لیے مناسب تدابیر اور اقدامات کی نشان دہی کی جا سکے۔ زندگی کے ان تلخ حقائق اور معاشرے کے رستے ہوئے ناسوروں سے صرف نظر کرنا یا ان پر پردہ ڈالنا مسائل کا حل نہیں--- آنکھیں بند کرنے سے خطرات کبھی ٹلا نہیں کرتے' ان کا مردانہ وار مقابلہ ہی تاریکیوں کو روشنی سے بدل سکتا ہے۔ آج بھی ضرورت ہے کہ ٹھنڈے دل سے مرض کی تشخیص اور صبر و ہمت سے علاج کا سامان کیا جائے۔

جن خاندانی' معاشرتی اور تہذیبی مسائل سے اس وقت ہمارا معاشرہ دوچار ہے وہ محض کسی خاص فرد یا چند افراد اور خاندانوں کا معاملہ نہیں اور مسئلہ بھی صرف یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان لڑکی اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہے یا نہیں یا ولی کی مرضی کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ بلاشبہ یہ معاملات بھی اپنی جگہ اہم ہیں اور شریعت نے ان کے بارے میں غیر مبہم رہنمائی فراہم کی ہے' لیکن اس وقت سب سے اہم سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان معاشرے میں ایسے واقعات کیوں رونما ہو رہے ہیں؟ بحیثیت مجموعی خاندانی نظام اور معاشرے کی عمومی صحت کی کیا کیفیت ہے؟ اسلام نے عائلی زندگی اور معاشرت کے بارے میں جو اخلاقی اور قانونی ہدایات دی ہیں' ان کا فہم و ادراک اور ان پر عمل کی کیا کیفیت ہے؟ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور شریعت' اس کے احکام اور ان کی روح کی پاسداری کے باب میں ہم کہاں کھڑے ہیں؟ معاشرہ اسلام سے مطابقت اور ہم آہنگی کی طرف جا رہا ہے یا انحراف اور بغاوت کی سمت؟ ان حالات میں مسلمانوں کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کی کیا ذمہ داری ہے؟ والدین' اساتذہ' علما' ارباب صحافت' سیاسی

قیادت' غرض ہم میں سے ہر ایک کا کیا رول ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیں دعوت عمل نہیں دے رہا کہ جب کچھ لوگ کشتی کے نچلے حصے میں سوراخ کر رہے ہوں تو کشتی کے دوسرے لوگوں کو خاموش اور بے نیاز نہیں رہنا چاہیے ـــــ "اب اگر وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہیں تو اسے بھی بچاتے ہیں اور خود بھی بچتے ہیں۔ لیکن اگر اسے چھوڑ دیتے ہیں (یعنی کشتی میں سوراخ کرنے دیتے ہیں) تو اسے بھی ہلاک کرتے ہیں اور خود بھی ہلاک ہوتے ہیں" (مشکوٰۃ)۔

ہم پورے شرح صدر کے ساتھ اور مشرق و مغرب کا ذاتی مشاہدہ کرنے کے بعد یہ اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ آج کا مسلم معاشرہ اپنی تمام تر کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود اپنے اندر بڑا خیر رکھتا ہے اور اخلاق اور سماجی استحکام کے اعتبار سے مغرب کے نام نہاد ترقی یافتہ معاشرے کے مقابلے میں بدرجہا بہتر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ بلکہ اس کا اعتراف نہ کرنا کفران نعمت کے مترادف ہو گا۔ جن لوگوں کی نگاہ مغربی تہذیب اور اس کے جلو میں آنے والی اخلاقی تباہی' خاندانی نظام کی زبوں حالی' عصمت و عفت کی تحقیر و تذلیل اور بے حیائی اور بے وفائی کی توقیر' بچوں کی کس مپرسی' بے باپ گھرانوں کی بہتات' طلاق کی فراوانی اور ان کے جلو میں رونما ہونے والے طوفان پر ہے۔ وہ پکار رہے ہیں کہ ؎

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ اموّمت
ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت

نوبل پرائز یافتہ فرانسیسی سائنس دان ایلکسس کاریل (Alexis Carrel) اقبال کا ہم نوا ہو کر اپنی کتاب "انسان نامعلوم" (Man the Unknown) میں کہتا ہے:

"ہم جائز و ناجائز کی تمیز کھو چکے ہیں' ہم نے قوانین طبیعت کی خلاف ورزی کر کے ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کا مرتکب سزا پائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب بھی کوئی شخص زندگی سے ناجائز امر کی اجازت لیتا ہے' زندگی اس کے جواب میں اسے کمزور بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیب روبہ زوال ہے"۔

لیکن کیا ستم ہے کہ آج اس روبہ زوال مغربی تہذیب و ثقافت کے تاریک سائے ہمارے نظام معاشرت و تمدن پر بڑھتے جا رہے ہیں اور ہماری بنیادی اقدار اور روایات بھی ان کی زد میں ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے ناواقفیت اور اس حقیقت سے اغماض ہے کہ ہمارا اپنا معاشرہ حقیقی اسلامی معاشرہ نہیں بلکہ ایک ایسا مخلوط معاشرہ ہے جس میں اسلامی تعلیمات اور روایات کے ساتھ برصغیر کی ہندو جاہلی تہذیب کی بہت سی روایات مل جل گئی ہیں۔ اسلام کے احکامات اور تعلیمات کے کچھ اجزا ضرور ہماری روایت کا حصہ ہیں لیکن اس کے بہت سے دوسرے نہایت اہم اجزا ہم نے شعوری یا غیر شعوری طور پر ترک کر دیے ہیں اور شریعت کے مقاصد اور اس کے اصل مشن اور روح سے ہم بے پروا ہو گئے ہیں۔ اس سب پر مستزاد مغربی افکار و اقدار کے اثرات ہیں جو ہماری معاشرت کا شیرازہ منتشر کرنے پر منتج ہو رہے

ہیں۔ اور یہ تباہی صرف مغرب کی فکری یلغار اور میڈیا کے سامراجی حملوں ہی کے ذریعہ نہیں آ رہی بلکہ ہم ہی میں سے کچھ عناصر اس ثقافتی امپریلزم کے کارندوں اور اس دور کے میر جعفر اور میر صادق کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو جاہلی اثرات سے بالکل ممیز کیا جائے۔ خاندان اور معاشرت کے حقیقی اسلامی تصور کو اسلامی احکام اور ان کی روح کے مطابق سمجھا اور نافذ کیا جائے۔ مغرب کی نقالی سے احتراز کیا جائے اور خالص اسلامی بنیادوں پر فرد اور معاشرے کی تعلیم اور تشکیل نو ہو۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم اسلام کی تمام برکتوں سے فیض یاب ہو سکیں گے اور وقت کے چیلنج کا جواب دینے کے لائق بن سکیں گے۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد مسلمان فرد اور مسلمان خاندان ہے۔ اسلام نے انسانی اجتماعیت کے دونوں بڑے مسائل --- مرد اور عورت کا رشتہ اور فرد اور اجتماع کا تعلق --- کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ دور جدید ہی کے نہیں انسانی تاریخ کے بڑے بڑے تہذیبی فتنے انھی دونوں رشتوں میں بگاڑ، افراط و تفریط اور کمزوری اور انتشار کے پیدا کردہ ہیں۔

اسلام نے اپنی دعوت کا اولیں مخاطب فرد کو بنایا ہے اور اس کے قلب و نظر کو ایمان کا گہوارہ قرار دیا ہے۔ ہر فرد کی سیرت سازی اس کا پہلا ہدف ہے۔ ہر مرد اور عورت کو ایک اسلامی شخصیت سے آراستہ کر کے ہی اسلام معاشرتی اور تہذیبی انقلاب برپا کرتا ہے۔ فرد کو سنوارنے کے ساتھ ساتھ اسلام اس کا رشتہ معاشرے سے جوڑتا ہے اور اس کے لیے ایسے ادارے قائم کرتا ہے جو زندگی میں استحکام پیدا کر سکیں اور تمام انسانوں کی قوت و صلاحیت کو تعمیر و ترقی کے لیے استعمال کر سکیں۔ اسلامی اجتماعیت میں فرد اور معاشرہ اور ریاست کے درمیان تعلق کشمکش اور محض حقوق کی جنگ سے عبارت نہیں بلکہ اس کی اصل تعاون اور تکافل کا رشتہ ہے۔ شریعت کی روشنی میں دونوں کے رول متعین ہیں اور دونوں ایک ہی مقصد ---- یعنی اعلائے کلمتہ اللہ کے لیے مصروف کار ہیں۔

اس طرح مرد اور عورت کا رشتہ بھی الہامی ہدایت کے تحت استوار کیا گیا ہے۔ خاندان کا نظام محض انسانی تجربے کا حاصل اور ٹھوکریں کھانے کے بعد کسی موہوم معاشی مفاد کے حصول کا ذریعہ نہیں (جیسا کہ مارکس، اینجلز اور دارخائم نے اپنے اپنے انداز میں کہا ہے) بلکہ یہ پہلا انسانی ادارہ ہے جسے وحی کے تحت قائم کیا گیا اور جس سے انسانی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ اللہ کی شریعت نے اس ادارے کے مقاصد اور خطوط کار متعین کر دیے ہیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا پودا تناور اور پھل دار درخت اس بیج کی پیداوار ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (الذاریات ۵۱:۴۹) "اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا

کیے ہیں"۔ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ (الشوریٰ ۴۲:۱۱) "اللہ نے تمہارے لیے خود تمہی میں سے جوڑے بنائے اور جانوروں میں سے بھی جوڑے بنائے۔ اس طریقے سے وہ تم کو روئے زمین پر پھیلاتا ہے"۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء ۴:۱) "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیے"۔ یہاں زوجی رشتے اور تناسل کے تخلیقی عمل کے تعلق کو واضح کر کے خالق کائنات نے اس ادارے کی ایک ابدی حکمت کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے۔ دوسری آیات میں خاندان کے دوسرے وظیفے یعنی محبت، مودت اور سکینت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم ۳۰:۲۱) "اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی"۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (اعراف ۷:۱۸۹) "وہی ہے جس نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا اور اس کے لیے خود اسی کی جنس سے ایک جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے"۔

اسلام نے خاندان کے نظام کو جو تقدس عطا کیا ہے وہ منفرد ہے۔ یہ محض انسان کی تلاش و جستجو اور تجربے سے حاصل ہونے والا ادارہ نہیں بلکہ اللہ کا قائم کردہ نظام ہے جو انسان کی فطرت کا تقاضا ہے اور معاشرے اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس الہامی طور پر قائم ہونے والے ادارے کے بارے میں ساری ضروری ہدایات خود اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں فراہم کر دی گئی ہیں۔ قرآن پاک میں جو قانونی احکام ہیں ان کا دو تہائی صرف خاندان کے مسائل کے بارے میں ہے اور مسلم معاشرے کو آج تک اسلام کی بنیاد پر قائم رکھنے اور ہر انحراف کے بعد اصل کی طرف رجوع کی تحریک پیدا کرنے والے عوامل میں سب سے اہم قرآن و سنت کی موجودگی کے بعد خاندان ہی کا ادارہ ہے جو ہمارا اصل قلعہ اور مامن رہا ہے، جس کے حصار میں اس امت نے بڑے سے بڑے فتنے کے مقابلے میں پناہ لی ہے اور جس سے وہ انسان رونما ہوتے رہے ہیں جن کے ہاتھوں تجدید و احیا کی نئی تاریخ رقم ہوئی ہے۔ مسلمان خاندان اور خصوصیت سے مسلمان ماں وہ اہم ترین جائے پناہ رہی ہے جس نے اس امت کو راہ ثواب پر قائم رکھا ہے اور ہر پستی کے بعد نئی بلندی کی راہیں ہموار ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دشمن انھی چیزوں کو خاص نشانہ بنا رہا ہے یعنی وحی اور الہامی ہدایت (قرآن و سنت) اور خاندان کا نظام۔ اس کا ہدف مسلمان عورت کو اس کے دین سے برگشتہ کرنا ہے۔ یو این او کے عالمی پروگراموں سے لے کر غیر ملکی اور ملکی این جی اوز اس مقدس جہاد میں مصروف ہیں۔

اسلام میں خاندان کے نظام کا اپنا مخصوص مزاج اور متعین نظام ہے۔ اسے انسانی تہذیبوں کے دوسرے نمونوں (models) سے کنفیوز نہیں کیا جانا چاہیے۔ خواہ ہندو مذہب اور سماج میں پروان چڑھنے والا تصور خاندان ہو، یا یونان، روم اور کلیسا کے دور کا خاندانی نظام یا صنعتی انقلاب اور مغربی اقدار کے زیر اثر رونما ہونے والا مختصر بلکہ منتشر خاندان کا یورپی اور امریکی نمونہ--- ان سب کے مقابلے میں اسلام نے خاندان کا جو تصور دیا ہے وہ بالکل مختلف اور منفرد ہے۔ اسے تاریخ کے پدری (patriarchal) نظام یا مغربی ممالک کی نشات ثانیہ کے زیر اثر آزاد محبت رانی (romantic love) دونوں سے کوئی نسبت نہیں۔ اس لیے اس امر کی ضرورت ہے اسلام کے خاندانی نظام کی حقیقت اور اس کی روح کو اچھی طرح سمجھا جائے اور نئی نسلوں میں اس کی صحیح تفہیم پیدا کی جائے۔

اسلام میں نکاح محض شہوت کی تسکین کا ایک راستہ نہیں گو جنسی عمل اور فطرت کے حقیقی تقاضوں کی جائز تسکین اس کا ایک حصہ ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ایک نئے خاندان کے قیام کا ذریعہ، دو خاندانوں میں نئے روابط کی ایک صورت، اور معاشرے کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے اور استوار رکھنے کا ایک تخلیقی عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناجائز سے بچنے اور جائز ذریعے سے شہوت کی تسکین کو بھی لائق اجر عمل قرار دیا گیا ہے۔ نکاح کی حیثیت ایک سنت اور کچھ حالات میں سنت موکدہ کی ہے اور اس نئے خاندان کے قیام کے عمل کو محض وقتی جذبات پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ اس کے لیے بڑے واضح اصول اور ضوابط مقرر کیے گئے ہیں اور ایسے تحفظات کا اہتمام کیا گیا ہے جو اس عمل کو محض ایک کھیل اور تجربہ نہ بننے دیں۔

اسلام نے اپنے پورے عائلی نظام کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، انسان کی خدائی کی جگہ رب العالمین کی حاکمیت کو تسلیم کرنا اور بندگی اور اطاعت کے راستے کو خوش دلی سے اور والہانہ انداز میں اختیار کرنا۔

(۲) اللہ کی حاکمیت کے عقیدے کا لازمی نتیجہ انسانوں کی مساوات اور برابری، حقوق و فرائض کی پاسداری اور ایک ہی مقصد اور منزل کی جستجو میں رفاقت اور ہم سفری کا احساس اور تجربہ ہے۔ یہ تمام انسانوں کو، مرد اور عورت کو شوہر اور بیوی کو، والدین اور اولاد کو بزرگوں اور بچوں کو، غرض معاشرے کے ہر فرد کو ایک دوسرے سے ایک نئے رشتہ میں جوڑ دیتا ہے اور زندگی گزارنے کے ایک نئے اسلوب اور آہنگ سے روشناس کرتا ہے جسے قرآن نے بڑے حسین انداز میں کامیابی کے معیار کی صورت میں پیش کیا ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ...... اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (الاحزاب ۳۳:۳۵) بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر

رکھا ہے"۔

دنیا اور آخرت میں برتری اور کامیابی کا معیار نہ جنس (gender) ہے، نہ نسب، نہ دولت اور نہ اقتدار--- مرد اور عورت سب کے لیے صرف تقویٰ ہی واحد معیار ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات ۴۹:۱۳) "لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے"۔

اور پھر سورہ توبہ میں مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا رفیق اور مددگار بتایا اور دونوں کے لیے کارگہ حیات میں ذمہ داریاں متعین کیں اور دنیا اور آخرت میں اصل کامیابی کا ایک ہی راستہ اور ایک ہی معیار اس دوٹوک انداز میں مقرر فرما دیا: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ...... إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبہ ۹:۷۱) "ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان پر اللہ ضرور رحم فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے"۔

مسلم خاندان اور مسلم معاشرہ زندگی اور کامیابی کے اسی انقلابی اصول پر قائم ہوتا ہے اور یہ مسلم امت کو ان تمام گمراہ کن بحثوں سے نجات دے دیتا ہے جن میں دور غلامی سے لے کر مادر پدر آزادی تک کے انسانی سماج میں وہ الجھا رہا ہے۔ اسلام نے زندگی گزارنے کے لیے جو میدان کار (matrix) ہمارے لیے بتایا ہے وہ سب سے جدا اور سب سے نرالا ہے۔

(۳) اسلام کے عائلی نظام کی تیسری بنیاد مہر و محبت اور صلہ رحمی ہے۔ نکاح دراصل اخلاق اور عصمت کے تحفظ کے لیے قلعے کی مانند ہے اور اس قلعے کے مکین ایک دوسرے کے لیے تسکین، محبت اور رحمت کا سرچشمہ ہیں۔ لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم ۳۰:۲۱) اور اس رشتے کو ایک دوسرے کے لباس کے قریبی رشتے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ (البقرۃ ۲:۱۸۷) اور پھر اس رحمت اور محبت کو ازواج یا اولاد تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ صلہ رحمی کے حکم کے ذریعے وسیع تر خاندان اور تمام دوسرے رشتہ داروں کو بھی اس کی ٹھنڈک اور مٹھاس میں شریک کر لیا گیا ہے۔

(۴) اللہ کی حاکمیت، اس کے تحت رونما ہونے والی مساوات اور شرکت مقاصد، عصمت کی حفاظت اور محبت اور رحمت کے بعد چوتھی بنیاد عدل و انصاف ہے۔ اسلام میں کوئی کسی کی ملک نہیں اور کوئی کسی کا تابع مہمل نہیں۔ سب حقوق و فرائض کے ایک الہامی اور منصفانہ نظام کے پابند ہیں۔ اور اگر ایک طرف

اختیارات اور ذمہ داریوں کی تقسیم اور خاندانی نظام کے کامیاب نظم کی خاطر مرد کو بجا طور پر "ایک درجہ فوقیت" دی گئی ہے تو دوسری طرف یہ اختیار بھی قانون کے تابع اور جواب دہی کے نظام سے مشروط ہے۔ جبر اور من مانی کا اختیار (arbitrary power) شریعت الٰہی کے نظام میں کسی کو حاصل نہیں، مرد کو نہ عورت کو!

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرہ ۲:۲۲۸) "عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے"۔

ہر فرد اپنے اعمال کا ذمہ دار اور ان کے لیے جواب دہ ہے۔ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا (النساء ۴:۱۲۴) "اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطے کہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی"۔

اختیارات، ذمہ داریوں اور جواب دہی کے اس نظام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے: "تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ امام، نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی، آدمی اپنے اہل پر نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی اور عورت اپنے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی" (بخاری)۔

اس پس منظر میں آیت کریمہ اَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ نے الٰہی قانون کے تحت منظم اور مرتب ہونے والے اس ادارے کے مزاج اور طرز کار کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ جس طرح اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ ایک شورائی ریاست اور شورائی معاشرہ ہیں، اس طرح اسلام میں خاندان بھی ایک شورائی ادارہ ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیہ کریمہ کی تشریح و تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسلامی طرز زندگی یہ چاہتا ہے کہ مشاورت کا اصول ہر چھوٹے بڑے اجتماعی معاملے میں برتا جائے، گھر کے معاملات ہوں تو میاں اور بیوی باہم مشورے سے کام کریں اور بچے جب جوان ہو جائیں تو انھیں بھی شریک مشورہ کیا جائے۔ خاندان کے معاملات ہوں تو ان میں کنبے کے سب عاقل و بالغ افراد کی رائے لی جائے"۔ (تفہیم القرآن، جلد ۵، صفحہ ۵۰۹)

(۵) عدل و انصاف اور مشاورت کے اس نظام کو مستحکم کرنے کے لیے مسلمان خاندان کی پانچویں بنیاد فرد کی معاشی آزادی اور اجتماعی تکافل کا ایک ایسا نظام ہے جو مرد اور عورت کی عزت نفس اور آزادی کی مکمل ضمانت کے ساتھ ان کے درمیان تعاون اور شراکت کا رشتہ استوار کرتا ہے۔ دونوں کو اپنی اپنی ملک پر

پورا اختیار دیتا ہے، مرد کو نان نفقہ کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور عورت کو محض دودھ پلانے والی اور جبری طور پر گھر کا کام کاج کرنے والی نہیں بناتا، بلکہ ان تمام معاملات کو ان کی اہمیت اور خاندانی نظام کی ضرورت کے مطابق حقوق کی باہم پاس داری کے ساتھ انجام دلانا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ گھر کے اندر بھی اور خاندان اور معاشرے کے وسیع تر میدان میں ایک ایسا نظام قائم کرتا ہے کہ جو بھی مالی اعتبار سے مضبوط ہو، وہ مالی اعتبار سے کمزوروں کی مدد، ان کے ایک حق کی ادائیگی کے جذبہ سے کرے۔ یہ عمل زندگی اور موت دونوں صورتوں میں جاری رہے، یعنی نفقہ، صدقات، صلہ رحمی، وراثت، ولایت، اور نفقہ لا قارب کے قوانین اور ہدایات کی روشنی میں۔

مسلم خاندان کی ان امتیازی خصوصیات پر اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام دوسری تہذیبوں اور سماجوں میں پائے جانے والے خاندانی نظام سے بہت مختلف ہے۔ یہ ایک دینی اور شرعی ادارہ ہے، اس کی حد بندی اور کارکردگی خود الٰہی ہدایت کی روشنی میں اور آخرت کی کامیابی کے جذبے سے کی جاتی ہے۔ یہ عصمت و عفت کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ ہے۔ یہ انسانی فطرت کے تقاضوں کی تسکین اور تکمیل کے لیے ایک موزوں اور دلکش انتظام ہے، یہ نئی نسلوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے بہترین گہوارہ ہے۔ یہ جسم اور روح کو محبت، مودت اور سکینت سے شاد کام کرنے اور اس پاکیزہ فضا میں نئی نسلوں کو پروان چڑھانے اور اپنے دین، تہذیب اور تمدن اور انسانی معاشرے کے علوم و فیوض سے روشناس کرانے کا ایک نظام ہے، یہ معاشی تکافل اور سوشل سیکورٹی کا ایک فطری نظام ہے جس میں عزت نفس کی مکمل پاسداری کے ساتھ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے لیے سہارا بنتے ہیں اور سب کو معاشی دوڑ میں شرکت اور وسائل سے استفادے کا موقع دیتے ہیں۔ خاندان کا یہ نظام سیرت کے نکھار، معاشرتی استحکام اور تہذیبی ترقی کا اہم ذریعہ ہے۔

ملت اسلامیہ کا اصل مشن ایسے خاندانی نظام کا قیام اور استحکام ہے جو ان اصولوں کی جیتی جاگتی تصویر ہو۔ آج جس بگاڑ سے ہم دوچار ہیں وہ اچانک رونما نہیں ہوا اور محض کسی ایک سبب کی بنا پر پیدا نہیں ہوا، خرابی کی اصل جڑ دین کے علم کی کمی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور تعلیمات سے عدم واقفیت اور عملی غفلت، مقصد زندگی کے شعور کی کمی، جاہلی افکار کا غلبہ، موثر قیادت کا فقدان، معاشی ذمہ داریوں سے اغماض، دور غلامی کے اثرات اور مغربی ثقافت کے زیر اثر حالات کا مزید بگاڑ، مفاد پرستی، محض معاشی اور مادی ترقی کے بتوں کی پوجا، علما، مشائخ، اساتذہ، والدین اور میڈیا کا اپنے اصل فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی اور بہت سے غلط اثرات کے فروغ کا ذریعہ بن جانے، معاشرے میں اچھی مثالوں کی کمی--- یہ ہیں وہ چند موٹے موٹے اسباب جن کی وجہ سے یہ صورت حال رونما ہوئی ہے اور اصلاح کا راستہ بھی یہی

ہے کہ ہم اپنی انفرادی اجتماعی ترجیحات کو درست کریں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کی طرف خلوص اور یکسوئی کے ساتھ مراجعت کریں۔ اس وقت تو حال یہ ہے کہ ہم متضاد اور متناقض سمتوں کی طرف لپک رہے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں!!

ہم میں سے ہر شخص کو ان حالات پر بڑی سنجیدگی اور دل سوزی سے غور کرنا چاہیے اور بحیثیت فرد اور من حیث القوم یکسو ہو جانا چاہیے کہ ہمیں کہاں جانا ہے؟ ہماری منزل کیا ہے؟ کسی فرد اور کسی قوم کے لیے اس سے زیادہ بے کسی اور بالآخر تباہی کا راستہ کیا ہو گا کہ اس کا حال یہ ہو جائے کہ ؎

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں

اگر ہماری منزل اسلام ہے تو پھر دو رنگی اور تضاد عملی کو ترک کرنا ہو گا۔ ایمان اور جہل ساتھ نہیں چل سکتے۔ اسلام تو علم کی روشنی میں زندگی گزارنے کا راستہ ہے۔ کیا تعجب ہے کہ مسلمان معاشرے کی اکثریت کو دین کی بنیادی تعلیمات سے بھی آگہی نہیں۔ نئی نسلوں کو اسلامی آداب اور شعائر سے آشنا نہیں کیا جا رہا۔ میڈیا ایک دوسری ہی تہذیب اور ثقافت کا پرچارک ہے جو مسلسل ذہنوں کو مسموم اور اخلاق اور معاشرت کو انتشار کا شکار کر رہا ہے۔ بااثر افراد کا ایک گروہ ہے جو بڑے منظم طریقے پر نوجوانوں کو بے راہ روی اور اباحت پسندی کی طرف لے جا رہا ہے اور ہمارے علما، دانش ور اور ارباب سیاست اپنے اپنے ذاتی، گروہی، مسلکی اور سیاسی مفادات کی جنگ میں مصروف ہیں۔ عدالتیں، برطانوی قانونی روایت کے تتبع میں قانون کے الفاظ کو انصاف کے حصول پر فوقیت دے رہی ہیں۔ جن معاملات کو گھر کی چار دیواری اور خاندان کے حصار میں طے ہونا چاہیے ان کو تھانے اور کچہری کی نذر کیا جا رہا ہے۔ سارے گندے کپڑے سرعام دھوئے جا رہے ہیں اور صحافت تشہیر فحش کی "مقدس خدمت" انجام دیتے ہوئے اس گندگی کو ملک کے طول و عرض میں پھیلانے کا کردار ادا کر رہی ہے۔ علما اور سیاست دانوں کو فرصت ہی نہیں کہ ان معاشرتی ناسوروں کے علاج کی فکر کریں۔

ان حالات میں ملک کے تمام سوچنے سمجھنے والے عناصر اور جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ ملک و ملت کے حقیقی مسائل کی طرف توجہ دیں۔ سیاست محض نعروں کا نام نہیں، سیاست تو تدبیر منزل سے عبارت ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ایک گروہ اصلاح کے لیے عملاً میدان میں اتر جائے۔ تعلیم اور خیر و شر میں تمیز کے احساس کو بڑے پیمانے پر پیدا کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ بلاشبہ حکومت کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے لیکن اگر حکومت اپنی اس ذمہ داری کو ادا نہیں کر رہی تو کیا حالات کو تباہی کی طرف

جانے کے لیے چھوڑا جا سکتا ہے۔ اس کشتی میں تو ہم سب ہی بیٹھے ہیں۔ اس کو بچانے کی ذمہ داری بھی ہم سب کی ہے۔ اگر دوسرے اس میں چھید کر رہے ہیں تو ہم ان سب کو ڈبونے کا موقع کیسے دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی ذمہ داری تحریک اسلامی اور معاشرے کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کی ہے۔

ہماری پہلی ضرورت منزل کے صحیح تعین اور اس کے حصول کے لیے یکسو ہو کر جدوجہد کرنے کی ہے۔ مغربی ثقافت کی نقالی اور تہذیب نو کی یلغار کے آگے سپر ڈالنا ہمارے لیے موت کے مترادف ہے۔ جو کش مکش آج برپا ہے اور جس کا ایک ادنیٰ سا عکس حالیہ عدالتی فیصلے اور اس کے تحت رونما ہونے والی بحثوں میں دیکھا جا سکتا ہے' وہ ہمیں دعوت غور و فکر ہی نہیں' دعوت عمل و جہاد بھی دیتی ہے۔ آیئے سب سے پہلے اپنی منزل کے بارے میں یکسو ہو جائیں۔ اگر وہ 'اسلام ہے' اور اسلام کے سوا کوئی دوسرا راستہ زندگی کا راستہ ہو ہی نہیں سکتا' تو پھر بیک وقت دو مختلف سمتوں میں جانے والی کشتیوں میں سواری کرنے کا احمقانہ ہی نہیں خطرناک راستہ ہمیں ترک کرنا ہو گا۔ فرد کی ذاتی تربیت سے لے کر خاندان کے نظام کی تشکیل' معاشرے کا سدھار' معیشت کی تنظیم نو' صحافت' سیاست' قانون اور عدالت کے نظام کی اصلاح اس کا لازمی حصہ ہیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور مہلت بہت کم ہے۔ ہم ملک کے اہل نظر کو دعوت دیتے ہیں کہ ان بنیادی مسائل کے بارے میں عوام کی موثر رہنمائی کریں۔ ناخوش گوار واقعات پر سے صرف کبیدہ خاطر ہو کر گزر نہ جائیں بلکہ اصلاح کے لیے عملی اقدام کریں۔